

## چیونٹی اور ٹڈا

ایک چیونٹی تھی۔ وہ کہیں جارہی تھی۔ راستے میں ایک مڈ املا، مڈا کہنے لگا چیونٹی بہن، زر ارک جاؤ۔“ چیونٹی رک گئی۔

پوچھنے لگی، کیا بات ہے؟ ٹڈے نے کہا ”میٹھی میٹھی ہوا چل رہی ہے۔ او باغ میں کھیلیں۔“ چیونٹی نے کہا میں کیسے کھیلوں۔ مجھے دانے اکٹھے کرنے ہیں۔ جب برسات آئے گی تو چھوٹی چھوٹی چیونٹیاں کیا کھائیں گی؟ مجھے گھر بھی ٹھیک کرنا ہے۔ برسات کے پانی سے گھر ٹوٹ سکتا ہے۔“ ٹڈے نے کہا ہم تو کھیلتے ہی ہیں جی۔“ ایک دن بادل آگئے۔ بارش ہونے لگی۔ ٹڈا بھیگتا ہوا آیا۔ چیونٹی کا دروازہ کھٹکھٹا کر کہنے لگا۔ چیونٹی بہن مجھے بھی اپنے گھر میں تھوڑی سی جگہ دے دو۔ میں بری طرح بھیگ گیا ہوں۔ جب تک بارش رہے گی۔ اس وقت تک یہاں رہوں گا۔ پھر چلا جاؤں گا۔“ چیونٹی بولی، ”بھائی ٹڈے تم نے سارا سال کام نہیں کیا۔ تم نے اپنا گھر نہیں بنایا۔ مشکل وقت کیلئے کچھ اناج بھی جمع کر کے نہیں رکھا۔ جاؤ میں تمہاری مدد نہیں کر سکتی۔ جو سستی کرے اس کی سزا یہی ہے۔“ ٹڈا گڑ گڑایا۔ ”چیونٹی بہن اس بار معاف کر دو۔ آگے سے محنت کیا کروں گا۔ چیونٹی نے ٹڈے کو چاول کے کچھ دانے دئے۔ کہنے لگی، ”لو کھالو، لیکن میرے گھر میں تمہارے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔“ ٹڈا روتی شکل لئے ہوئے چلا گیا۔

## باتھی اور درزی

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک درزی اپنی دکان میں بیٹھا کپڑے سی رہا تھا۔ کہ اچانک سے وہاں ایک باتھی کا بچہ آگیا۔ اور اچانک اونچا اونچا بولنے لگا۔ درزی نے اس کو ایک روٹی کا ٹکڑا دیا۔ وہ ہاتھی ہمیشہ درزی کی دکان پر آتا تھا۔ ایک دن باتھی آیا لیکن درزی نے اس کو روٹی کے بجائے سوئی چبھادی۔ باتھی بھاگ گیا۔ اگلے دن ہاتھی پھر آگیا لیکن اس کی سونڈھ کیچڑ سے بھری ہوئی تھی۔ اور اس نے اپنی سونڈھ سے کیچڑ درزی کے کپڑوں پر پھینک دیا۔ درزی کے سارے کپڑے خراب ہو گئے۔ درزی سر پکڑ کر رونے لگ گیا۔ اس کہانی سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔

## عقلمند مچھلی

ایک گاؤں میں چھوٹا تالاب تھا۔ جس میں بہت مچھلیاں رہتی تھیں ایک مچھلی جس کا رنگ نیلا تھا اس کی وجہ سے اس کا نام نیلی مچھلی پڑ گیا۔

نیلی مچھلی بہت عقلمند تھی۔ وہ جو کوئی بھی کام کرتی بہت سوچ سمجھ کر کرتی تھی۔ ایک دن اس تالاب کے پاس 2 مچھیرے آئے اور ایک مچھیرے نے کہا اوبو! دیکھو تو کتنی ساری مچھلیاں ہیں۔

کل ہم آئیں گے اور ان سب مچھلیوں کو پکڑ لے جائیں گے۔

یہ بات نیلی مچھلی نے سن لی۔ اور وہ جا کر دوسری مچھلیوں کو سنانے لگی دوسری مچھلیاں نیلی مچھلی پر بننے لگیں اور کہنے لگیں۔ کہ اگر تمہیں جانا ہے تو جاؤ ہم سب یہیں رہیں گے۔

اسی رات عقلمند مچھلی تالاب چھوڑ کر چھوٹی جھیل کے ذریعہ ندی میں چلی گئی۔ دوسرے دن وہ مچھیرے آئے اور تالاب کی ساری مچھلیوں کو پکڑ کر لے گئے عقلمند مچھلی کی بات نہ سن کر مچھلیوں کو پچھتاوا ہوا اور اس طرح سے عقلمند مچھلی بچ گئی۔ اس لیے بچو ہمیشہ عقل سے کام

### چوبا اور شیر

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک جنگل میں ایک شیر رہتا تھا۔ ایک دن وہ شیر سوربا تھا کہ اچانک ایک چوبا وہاں آگیا اور شیر کے بالوں میں گھس کر کھیلنے لگا۔ اچانک شیر کی آنکھ کھل گئی اس نے چوبے کو پکڑ لیا۔ چوبا ڈر گیا وہ شیر سے منت کرنے لگا کہ ”مجھے چھوڑ دو۔ میں آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔ شیر کو اس پر رحم آگیا۔ اس نے چوبے کو چھوڑ دیا۔ چوبا جاتے جاتے شیر سے کہنے لگا کہ ”میں اس احسان کا بدلہ ضرور دوں گا۔“ شیر ہنس پڑا۔ ایک دن کچھ شکاری جنگل میں آگئے انہوں نے جال ڈال کر شیر کو پکڑ لیا۔ وہاں اچانک وہی چوبا بھی آگیا۔ اس نے اپنے دانتوں سے جال کو کاٹ دیا۔ اس طرح شیر آزاد ہو گیا۔ شیر نے چوبے کا شکریہ ادا کیا۔ چوبے نے کہا کہ ”کوئی بات نہیں ایک دن آپ نے میری مدد کی تھی اور آج میں نے آپ کی مدد کر دی۔ اس میں شکریہ کس بات کا۔“

### نا سمجھ بکریاں

ایک گاؤں کے پاس نہر بہتی تھی۔ اس نہر پر لکڑی کا ایک پل تھا۔ وہ کم چوڑا تھا۔ اس پر ایک وقت میں ایک ہی آدمی گزر سکتا تھا۔ ایک دن کی بات ہے۔ ایک بکری پل پر سے دوسری طرف جارہی تھی۔ ایک اور بکری آگئی۔ پہلی بکری نے دوسری بکری سے پوچھا تم کہاں جارہی ہو۔ اس نے جواب دیا میں نہر کے پار جارہی ہوں۔“ اس نے پہلی بکری سے پوچھا تم کہاں جارہی ہو؟“ اس نے جواب دیا ”میں اپنے گاؤں جارہی ہوں۔“ تو پہلی بکری نے کہا ”پہلے میں پار جاؤں گی تم میرے پیچھے آجاؤ۔“ وہ کہنے لگی کہ ”پہلے میں جاؤں گی، ہمیں پیچھے کیوں جاؤں؟“۔ میں میں کر کے دونوں لڑنے لگیں۔ لڑتے لڑتے دونوں بکریاں نہر میں گر گئیں۔

### چوں چوں چوبا

سوپر ابوا۔ چوں چوں چوبا اپنے بل سے باہر نکلنے لگا۔ سامنے بلی بیٹھی تھی۔ چوبے نے سوچا میں باہر نکلا تو بلی مجھے کھا جائے گی۔“ بلی کہنے لگی ”پیارے چوبے باہر نکل آؤ چوں چوں نے کہا ”میں باہر نہیں آؤں گا ”بلی نے پوچھا ”کیوں؟“ چوں چوں کہنے لگا ”میں باہر آؤں گا تو تم مجھے کھا جاؤ گی“ بلی نے کہا ”اللہ نہ کرے میں تمہیں کیوں کھاؤں گی۔ میں تو تمہیں دوست دوست بنانے آئی ہوں۔ یہ دیکھو میں ہاتھ بڑھاتی ہوں تم مجھ سے ہاتھ ملاؤ، میرے دو

بن جاؤ چوں چوں بولا ” بلی خالہ میں نہیں آؤں گا۔ تم جاؤ دھر دیکھو ٹیپو کتا کھڑا ہے۔ اُس سے ہاتھ ملاؤ۔“ بلی نے کتے کو دیکھا۔ اس کا دم نکل گیا۔ وہ اُچھل کر کھڑکی پر چڑھ گئی۔ کسی طرح اپنی جان بچائی۔

### چالاک کوا

ایک بار بہت گرمی پڑ رہی تھی۔ ایک کوا ابھت پیاسا تھا۔ اُس نے ادھر ادھر پانی بہت ڈھونڈا لیکن پانی کہیں نہیں ملا۔ اچانک اسے ایک گھڑا دکھائی دیا۔ کوا بہت خوش ہوا۔ وہ اڑ کر اس گھڑے کے پاس پہنچا۔ گھڑے میں پانی بہت کم تھا۔ کوا کی چونچ پانی تک نہ پہنچ سکی۔ کوا ابھت چالاک تھا۔ اس نے ایک ترکیب سوچی ، وہ اپنی چونچ میں کنکر اٹھا کر لایا اور گھڑے میں ڈالنے لگا۔ ایک، دو، تین، چار، پانچ چھ سات، آٹھ، نو اور دس ۔ اسی طرح کوا گھڑے میں کنکر ڈالتا گیا۔ آہستہ آہستہ گھڑے کا پانی اوپر آگیا۔ کوا گھڑے پر جا بیٹھا اور اب پانی اتنا اوپر آچکا تھا کہ کوا کی چونچ پانی تک با آسانی پہنچ گئی۔ کوا نے خوب پانی پیا اور اپنی پیاس بجھائی ۔ پھر وہ پیڑ ( درخت ) پر بیٹھ کر آرام کرنے لگا۔

### جنگل کہانی

پیارے بچوں! ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ افریقہ کے ایک جنگل میں بہت سے جانور آپس میں مل جل کر رہتے تھے ۔ اور ایک دوسرے کا خیال رکھتے ۔ گویا جنگل میں منگل تھا۔ شیر بھی بلاوجہ کسی جانور کو نہ مارتا ۔ اگر بھوک لگتی تو گھاس کھا لیتا یا کسی کمزور جانور کو کھا لیتا۔ جنگل کے جانور ہنسی خوشی زندگی بسر کر رہے تھے کہ ایک دن نہ جانے کہاں سے اُن کے جنگل میں ایک لومڑی آگئی ۔ بچوں آپ تو جانتے ہی ہیں کہ لومڑی کتنی چالاک ہوتی ہے ۔ جانوروں نے اُس سے پوچھا کہ تم یہاں کیوں آئی ہو تو وہ جھوٹ موٹ کے آنسو بہانے لگی اور بولی میں جس جنگل میں رہتی تھی وہاں میری کوئی عزت نہیں کرتا تھا۔ لہذا میں مجبور ہو کر یہاں آئی ہوں۔ جانور اس کو اپنے بادشاہ شیر کے پاس لے گئے اور ساری بات بتا دی ۔ شیر نے کہا دیکھو بھئی تم سب جانتے ہو کہ لومڑی چالاک ہوتی ہے لہذا میں تو اس کو یہاں رکھنے کو تیار نہیں باقی تم ساروں کی مرضی۔ جانوروں کو لومڑی پر ترس آگیا اور آخر جانوروں کے کہنے پر شیر نے لومڑی کو جنگل میں رہنے کی اجازت دے دی۔

### تین شہزادیاں

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ چین پر ایک بادشاہ حکومت کیا کرتا تھا۔ اس کی تین بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا۔ بادشاہ اپنے بیٹے کو بہت پیار کرتا تھا۔ اُس نے

اپنے بچوں کو خوبصورت کھلونے دے رکھے تھے۔ ایک ایسا گول چکر بنا ہوا تھا ج میں بھی بنی مچھلیا سنی ہوئی تھیں جو دائرے میں گھومتی بہت رنگی کی خوبصورت معلوم ہوتی تھیں۔ گاڑیاں، خوبصورت بھالو اور گیند تھے۔ چاروں بہن بھائی آپس میں بہت پیار کرتے تھے۔ ایک دن بادشاہ نے اپنے چاروں بچوں کو بلا بھیجا۔ چاروں بہن بھائی بادشاہ کے پاس پہنچ گئے۔ بادشاہ نے تینوں بیٹیوں اور بیٹے کو پیار کیا اور انہیں اپنے پاس بٹھا لیا اور انہیں بہت سے تحائف دیئے۔ چاروں بہت خوش ہوئے۔

بادشاہ نے تینوں بیٹیوں میں سے بڑی بیٹی کو اپنے قریب کرسی پر بٹھایا اور پیار سے پوچھا۔ ”بیٹی میں کون ہوں؟“ ”پیارے ابو جان! آپ ہمارے پیارے والد ہیں۔ اور بادشاہ ہیں۔“ اس نے کہا۔ ”اچھا تو بیٹے! یہ بتائیں کہ آپ مجھ سے کتنا پیار کرتی ہیں؟“ بادشاہ نے پوچھا۔ ”میرے پیارے پیارے ابو! میں آپ سے پہاڑوں سے اونچا اور سمندروں سے گہرا پیار کرتی ہوں۔“ اس نے بڑے دلا ر سے کہا۔ ”واہ بیٹی واہ۔ تمہاری بات سن کر مجھے بہت خوشی ہوئی۔“ بادشاہ نے کہا اور اسے سینے سے لگا لیا۔ اب اُس نے اپنی درمیانی ”بیٹی سے پوچھا۔ ”ہاں بیٹا! تم بتاؤ مجھ سے کتنا پیار کرتی ہو؟“

درمیانی بیٹی نے فہمہ لگایا اور باپ کا ماتھا چوم لیا اور بولی۔ ”ابو! میں آپ سے سات آسمانوں سے اونچا اور سات زمینوں کی گہرائی سے زیادہ گہرا پیار کرتی ہوں۔“ ”واہ بیٹی واہ تم نے تو دل خوش کر دیا۔“ بادشاہ نے اسے سینے سے لگالیا۔ اب بادشاہ تیسری بیٹی کی طرف متوجہ ہوا۔ ”پیاری بیٹی تم بتاؤ تم مجھ سے کتنا پیار کرتی ہو؟“ ”پیارے ابا جان! میں سچ سچ کہوں؟“ اس نے سنجیدگی سے کہا۔ ”ہاں بیٹا!... بالکل سچ کہو۔“ بادشاہ نے حیران ہو کر کہا۔ ”تو پیارے ابا جان! میں آپ سے نمک جتنا پیار کرتی ہوں۔“ وہ پیار سے بولی۔ ”ہائیں... یہ کیسا جواب ہے؟... نمک“ ”جتنا....“ بادشاہ حیرت سے بولا ”ہاں ابو! میں آپ سے نمک جتنا پیار کرتی ہوں۔“

اس نے پھر کہا۔ اس پر بادشاہ کو غصہ آگیا۔ اس نے تالی بجائی۔ سپاہی حاضر ہو گئے۔ اس نے حکم دیا کہ اس بے وقوف لڑکی کو جنگل میں چھوڑ آؤ تا کہ اسے باپ کی قدر معلوم ہو۔ سپاہیوں نے بادشاہ کے حکم کی تعمیل کی اور تیسری شہزادی چانگ چھو کو جنگل میں اکیلا چھوڑ آئے۔ شہزادی نے اپنے رب کا شکر ادا کیا اور کہنے لگی۔ ”اے میرے پروردگار! میں تیری رضا کے آگے سر جھکاتی ہوں۔ تو ہی میرا پروردگار ہے اور میری حفاظت کرنے والا ہے۔ تیرا شکر ہے کہ جیسے بھی رکھے۔“ وہ اللہ کے حضور سر بسجود ہو گئی۔ اللہ کی رحمت کو جوش آیا۔ وہاں ایک بوڑھا اپنی بیوی کے ساتھ جنگل میں رہتا تھا۔

اس نے اسے اپنی بیٹی بنالیا۔ وہ روزانہ لکڑیاں کاٹتا اور شہر میں جا کر بیچ آتا۔ شہزادی نے کہا۔ ”بابا تم کچھ لکڑیاں بیچ آیا کرو اور کچھ“ ”اے میرے پروردگار! میں تیری رضا کے آگے سر جھکاتی ہوں۔ تو ہی میرا پروردگار ہے اور میری حفاظت کرنے والا ہے۔ تیرا شکر ہے کہ جیسے بھی رکھے۔“ وہ اللہ کے حضور سر بسجود ہو گئی۔ اللہ کی رحمت کو جوش آیا۔ وہاں ایک بوڑھا اپنی بیوی کے ساتھ جنگل میں رہتا تھا۔ اس نے اسے اپنی بیٹی بنالیا۔ وہ روزانہ لکڑیاں کاٹتا اور شہر میں جا کر بیچ آتا۔ شہزادی نے کہا۔ ”بابا! تم کچھ لکڑیاں بیچ آیا

کرو اور کچھ لکڑیاں وہ سامنے پہاڑ کی غار میں رکھ دیا کروتا کہ لکڑیاں جمع ہوتی رہیں اور سردیوں میں کام آئیں۔“

بابا نے اس کی نصیحت پر عمل کیا اور لکڑیاں غار میں جمع کرنا شروع کر دیں۔ غار لکڑیوں سے بھر گیا۔ کرنا خدا کا یہ ہوا کہ بجلی گری اور لکڑیوں کو آگ لگ گئی۔ ذرا سی دیر میں ساری جمع شدہ لکڑیاں جل کر خاک ہو گئیں۔ دو تین دن بعد جب راکھ ٹھنڈی ہوئی تو شہزادی چانگ چونے سوچا کہ غار کی صفائی کی جائے اور پھر سے لکڑیاں جمع کریں۔ وہ غار میں گئی۔ اسے وہاں ہر طرف سونا ہی سونا نظر آیا۔ وہ غار سونے کا پہاڑ تھا۔ شہزادی نے کچھ سونا بیچ دیا اور غار کے باہر ایک محل بنوالیا محل بہت شاندار تھا۔ اس نے محل کے اردگرد ایک خوبصورت باغ بنوایا۔ باغ میں فوارے لگوائے اور رنگ رنگ کے پھولوں اور پھلوں کے پودے لگوائے۔

اب شہزادی نے بھیس بدلا اور نقاب پہن لیا اور بادشاہ اور اس کے امیروں اور تمام شہر کے لوگوں کی دعوت کر ڈالی۔ بادشاہ نے دعوت قبول کر لی۔ اب جب بادشاہ، امیر، وزیر اور درباری اور اس کی دونوں لڑکیاں اور بیٹا کھانا کھانے بیٹھے تو کسی کھانے میں نمک نہ تھا سب نے کھانے کی طرف سے ہاتھ کھینچ لیا۔ شہزادی چانگ چونے بادشاہ سے کھانا نہ کھانے کی وجہ پوچھی تو وہ کہنے لگا۔ ”یہ کھانا تو بہت بد ذائقہ ہے۔ کسی کھانے میں بھی نمک نہیں ہے۔ میں یہ کھانا نہیں کھا سکتا۔“ بادشاہ کی بیٹیوں، بیٹے اور اس کے درباریوں نے بھی بے نمک کھانا کھانے سے انکار کر دیا۔ ”بادشاہ سلامت ! کیا آپ نمک کو اتنا پیار کرتے ہیں کہ اس کے بغیر کھانا نہیں کھا سکتے ؟“ چانگ چونے بادشاہ سے سوال کیا۔

”ہاں۔ نمک کے بغیر ہر کھانا بے ذائقہ ہو جاتا ہے۔ اور کھانے میں نمک نہ ہو تو وہ کھایا نہیں جا سکتا۔ میں تو کہتا ہوں کہ نمک کے بغیر کھانا کھانا ہی بے کار ہے۔“ بادشاہ نے کہا۔ ”اچھا تو یہ بات ہے۔ آپ نمک کے بغیر نہیں رہ سکتے۔“ چانگ چو نے پوچھا۔ ”ہاں یہی بات ہے۔“ بادشاہ نے بیزار سے اُٹھتے ہوئے کہا۔ اسی وقت شہزادی چانگ چونے اپنے چہرے سے نقاب ہٹا دیا اور کہنے لگی۔ ”اے حضور ! میں نے سچ کہا تھا کہ میں آپ سے نمک جتنا پیار کرتی ہوں۔“ بادشاہ بہت شرمندہ ہوا۔ اس نے بیٹی کو سینے سے لگا لیا اور اسے گھر لے گیا۔

### ماما مرغی اور بطخ بچہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک بطخ دریا کے کنارے رہتی تھی۔ وہ بیچاری ہمیشہ بیمار رہتی تھی۔ ایک دن اس کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی تو وہ ڈاکٹر کے پاس گئی۔ ڈاکٹر نے اسے بتایا کہ تمہاری بیماری ایسی ہے کہ تم جلد مر جاؤ گی۔ اسے یہ سن کر صدمہ ہوا کیونکہ اس کے پاس ایک انڈا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ اگر میں مر گئی تو اس انڈے کا کیا ہو گا، جس کے خول سے جلد ہی بچہ نکلنے والا تھا اور پھر اس بچے کو کون سنبھالے گا، لہذا وہ اپنے سب دوستوں کے پاس گئی جو جنگل میں رہتے تھے۔

اس نے اپنے دوستوں کو اپنی ساری کہانی سنائی لیکن انہوں نے مدد کرنے سے انکار کر دیا بیچاری بطخ نے ان کی کافی منتیں کیں کہ خدا کے لئے تم لوگ مرنے کے بعد میرے بچے کو اپنے پاس رکھ لینا لیکن کسی نے اس کی بات نہ مانی۔

بیچاری بطخ بھی کیا کرتی۔ اس کے ذہن میں خیال آیا کہ کیوں نہ میں بھائی مرغے کے پاس جاؤں، وہ ضرور میری مدد کرے گا، لہذا وہ مرغے کے پاس گئی اور اسے سارا قصہ سنایا۔

”مرغ بھائی! آپ میرے بچے کے ماموں جیسے ہو پلیز آپ ہی میرے بچے کو اپنے پاس رکھ لینا۔“  
مرغا بولا! میں تمہارے بچے کو رکھ لینا لیکن میری بیگم مرغی یہ بات نہیں مانے گی، لہذا مجھے بہت افسوس ہے کہ میں یہ کام نہیں کر سکتا مجھے معاف کر دینا۔  
بطخ ادھر سے مایوس ہو کر اپنے گھر واپس آ گئی اور سوچنا شروع کر دیا کہ اب کیا کیا جائے۔  
اچانک اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی اور اس نے موقع ڈھونڈ کر یہ کام انجام دے دیا اور خود جا کر ایک درخت کے کنارے بیٹھ گئی۔ بطخ کی طبیعت بگڑ گئی اور ایسی بگڑی کہ وہ وہیں مر گئی۔ جب مرغی کے بچے انڈوں سے باہر نکلے تو ان میں ایک بطخ کا بچہ بھی تھا۔ مرغا سب جان گیا تھا کہ بطخ اپنا انڈا آنکھ بچا کر مرغی کے انڈوں کے ساتھ رکھ گئی ہے لیکن اس نے مرغی کو بتانا مناسب نہ سمجھا۔  
”مرغی نے کافی شور شرابہ کیا اور بولی، میرے بچوں کے ساتھ بطخ کا بچہ نہیں رہے گا۔“  
مرغے نے اسے کافی سمجھایا لیکن مرغی نے اس کا کہنا نہیں مانا اور اپنے بچوں کو بھی منع کر دیا کہ بطخ کے بچے سے کسی کو بات نہیں کرنی ہے۔ سب نے مرغی کی بات مان لی لیکن دو چوزوں نے اپنی ماں کی بات نہ مانی اور وہ جو خود کھاتے تھے۔ اپنے ساتھ اس بطخ کے بچے کو بھی کھلاتے تھے۔  
مرغی کو بطخ کے بچے سے سخت نفرت تھی، وہ اسے دیکھنا بھی پسند نہیں کرتی تھی۔  
ایک دن مرغی کے ذہن میں خیال آیا کہ ہم سب مل کر دریا کے کنارے سیر کو جائیں گے۔ سب واپس آ جائیں گے اور بطخ کے بچے کو وہیں چھوڑ آئیں گے۔ اس طرح اس سے جان چھوٹ جائے گی۔ وہ لوگ سیر کو نکلے۔ وہاں پہنچتے ہی ایک چوزہ دریا کے کنارے چلا گیا اور ڈوبنے لگا۔  
یہ دیکھ کر مرغی زور زور سے چیخنے چلانے لگی، بطخ کے بچے کو تیرنا آتا تھا، اُس نے فوراً دریا میں تیرنا شروع کر دیا اور اس چوزے کو نکال کر باہر لے آیا۔  
مرغی نے جب یہ دیکھا تو اسے اپنے کئے پر کافی شرمندہ ہوئی اور اس نے بطخ کے بچے سے معافی مانگ کر اسے اپنا بیٹا بنا لیا۔ اس طرح وہ سب ہنسی خوشی رہنے لگے۔  
دیکھا بچو! کیسے بطخ کے بچے نے مرغی کے بچے کو بچایا اور کیسے اس کا بھلا ہوا۔ اسی لئے تو کہتے ہیں کہ کر بھلا تو ہو بھلا۔

## چور پکڑے گئے

”سر، سر! آج پھر جام نگر میں چوری ہو گئی ہے۔“ اس بار چوری سیٹھ عارف صاحب کے بنگلے میں ہوئی ہے۔ عارف صاحب بتا رہے ہیں کہ صبح جب وہ اٹھے تو انہوں نے دیکھا کہ تجوری کا تالا ٹوٹا ہوا ہے اور تمام زیور اور نقدی وغیرہ غائب۔“ انسپکٹر راشد غور سے اپنے ماتحت کی بات سن رہے تھے۔  
”سمجھ میں نہیں آ رہا کہ چور کس طرح اتنی صفائی کے ساتھ چوری کرتا ہے اور نکل جاتا ہے اور کسی کو پتا تک نہیں چلتا۔“  
”انسپکٹر راشد پریشانی سے بولے۔“

جام نگر میں یہ تیسری واردات تھی۔ اس سے پہلے بھی چور دو گھروں کی تجوریوں پر ہاتھ صاف کر چکا تھا۔ ابھی ان دو وارداتوں کا سراغ نہیں ملا تھا کہ تیسری واردات بھی ہو گئی۔ انسپکٹر راشد پریشان اپنے دفتر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ماتحت ایک شخص کے ساتھ داخل ہوا۔

اس شخص نے بتایا: ”انسپکٹر صاحب! میں رات کو موٹر سائیکل پر اپنے گھر جا رہا تھا تو اچانک میری نظر دو لوگوں پر پڑی، جن کے ہاتھ میں کچھ کاغذات تھے اور ایک شاہر میں شاید زیورات وغیرہ تھے۔

پھر وہ لوگ بائیک پر بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔“ وہ شخص تھوڑی دیر کے لئے رکا۔

”پھر....؟“ انسپکٹر راشد بے چینی سے بولے۔

”مجھے ان پر شک ہو گیا اور میں ان کا پیچھا کرنے لگا۔ وہ لوگ ایک ویران بستی کی طرف مڑ گئے۔ میں نے ایک کاغذ پر بائیک کا نمبر نوٹ کر لیا تھا، یہ لیجیے۔“ اس نے ایک کاغذ انسپکٹر راشد کو دیا۔ انہوں نے نمبر دیکھا اور کاغذ اپنی جیب میں رکھ لیا۔

”کیا تم اس بستی کا پتا بتا سکتے ہو؟“ انہوں نے پوچھا۔ ”جی ضرور۔“ اس شخص نے کہا اور ساتھ ہی پتا بتا دیا۔

”آپ کا معلومات دینے کے لئے شکریہ۔“

پھر وہ شخص چلا گیا۔ انسپکٹر راشد نے اپنے ماتحت سے کہا: ”ہمیں فوراً کارروائی شروع کرنی ہو گی، کہیں ایسا نہ ہو کہ چور مزید کوئی واردات کر دے۔ تم فوراً نفری تیار کرو۔“

”یس سر!“ ماتحت نے سلیوٹ کیا اور نکل گیا۔

کچھ ہی دیر میں انسپکٹر راشد اپنی جیب میں بیٹھ گئے جیب میں انسپکٹر راشد اور ان کے ماتحت بیٹھے تھے۔ ان کے پیچھے کچھ نفری آ رہی تھی۔ ایک جگہ اچانک انسپکٹر راشد نے جیب روک دی۔ ماتحت نے چونک کر ان سے وجہ پوچھی۔

”وہ دیکھو! سامنے جو موٹر سائیکل کھڑی ہے اس کا نمبر وہی ہے جو اس شخص نے بتایا تھا۔“ انسپکٹر راشد نے کہا۔

”اوہ! اور سامنے بالکل وہی بستی ہے۔“

”ان کے ماتحت نے کہا۔“

”ایسا کرتے ہیں کہ جیب باہر کھڑی کر کے پیدل آگے بڑھتے ہیں۔“

”ٹھیک ہے سر! میں گاڑیوں کو رکواتا ہوں ضرورت پڑی تو بلوا لیں گے۔“

”ٹھیک ہے۔“ انسپکٹر راشد نے کہا۔ کچھ دیر بعد ماتحت واپس آیا تو وہ دونوں آگے چل پڑے۔

تھوڑا آگے پہنچ کر انہیں ایک آواز سنائی دی: ”باس! آج تو بڑی اہم فائلیں چوری کی ہیں۔“

”شاباش! ہمیں پولیس کبھی نہیں پکڑ پائے گی۔ بابا بابا۔“

انسپکٹر راشد نے ماتحت سے کچھ کہا۔ وہ چلا گیا۔ واپس آیا تو اس کے ساتھ پوری نفری تھی۔ ان سب نے دروازہ توڑ ڈالا اور ہال میں داخل ہو گئے۔ سارے چور گھبرا گئے۔ سب کو گرفتار کر لیا گیا۔ یوں جام نگر کے چور پکڑے گئے۔

### صبر کا مہینہ

رمضان المبارک کی آمد آمد تھی۔ فاطمہ کا گھر انہ رمضان کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ ان کے ہاں رمضان میں افطاری کا بہت اہتمام کیا جاتا تھا۔ اس بار اور زیادہ کیا جانا تھا، کیونکہ اس بار فاطمہ کی خالہ عائشہ اپنی دو بیٹیوں بیبا اور صبا کے ساتھ لندن سے ان کے گھر آ رہی تھیں۔

فاطمہ کو سحری کے لئے جاگنا بہت مشکل لگتا تھا۔

اس بار رمضان کے مہینے میں اسکول کی چھٹیاں بھی تھیں۔ سحری کے بعد نماز پڑھ کر جو سوتی تو ظہر سے ذرا پہلے جاگتی، پھر تھوڑی دیر بعد امی سے پوچھتی کہ افطاری میں کیا بنا رہی ہیں۔ اس کی والدہ جن چیزوں کا

نام لیتیں تو منہ بسور لیتی اور اپنی پسند کی ایک آدھ چیز ضرور بنواتی۔ اس کی امی تین بجے سے ہی افطار کی تیاریوں میں لگ جاتیں۔

### سحری کے لئے الگ سالن بنتا۔

ساتھ میں کچھ چیزیں افطاری کے لئے اور دو قسم کے مشروب تو ضرور بنتے تھے۔ فاطمہ اپنی امی کی مدد بھی نہ کرواتی اور عشاء کی نماز پڑھ کر ٹی وی دیکھنے بیٹھ جاتی یا فضول قسم کے گیم شوز سے لطف اندوز ہوتی۔ فاطمہ کی خالہ زاد بہنوں نے اس کے یہ معمولات دیکھے تو بہت افسردہ ہوئیں۔ عائشہ خالہ کے گھرانے کے طور طریقے مختلف تھے۔ وہ بے جا اصراف کی قائل نہیں تھیں۔

وہ افطاری میں بس کھجور کے ساتھ پانی پی کر افطار کرتیں اور پھر نمازِ مغرب ادا کر کے کھانا کھا لیتیں اور پھر تراویح کی تیاری کرتیں۔ فجر کے بعد عائشہ خالہ اور ان کی بیٹیاں قرآن پاک کی تلاوت کرتیں۔ تھوڑی دیر آرام کرتیں پھر قرآن پاک کا ترجمہ اور تفسیر پڑھتیں۔ ہلکا ہلکا کھانے کی وجہ سے عبادت میں سستی اور گرانی محسوس نہیں ہوتی تھی۔

انہوں نے فاطمہ کو بھی سمجھایا کہ رمضان کا مہینہ ہمیں صبر کا درس دیتا ہے، نہ کہ حرص کا۔ جب ہم سادہ اور کم کھانا کھائیں گے تب ہی ہمیں غریب کی مشکلوں کا احساس ہو گا۔ فاطمہ اور اس کی والدہ بہت شرمندہ ہوئیں کہ عائشہ خالہ نے غیر اسلامی ملک میں رہتے ہوئے بیبا اور صبا کی پرورش اسلامی اصولوں کے مطابق کی ہے اور وہ اسلامی ملک میں رہتے ہوئے بھی اسلام کی بنیادی تعلیمات سے دور ہیں۔ انہوں نے عبادت کی روح کو سمجھا ہی نہیں۔

فاطمہ اور اس کی امی عید کی خریداری آخری عشرے میں کرتی تھیں۔ جب بازار میں ٹل دھرنے کو جگہ نہیں ہوتی اور ہر چیز کا بھاؤ آسمان سے باتیں کر رہا ہوتا ہے، لیکن انہیں ان سب باتوں کی بالکل پروا نہیں تھی۔ اس بار عائشہ خالہ نے ان کو بازار نہیں جانے دیا، بلکہ جو تحائف وہ وہاں سے لائی تھیں، ان سے کہا: ”تم لوگ عید پر یہی پہننا مقدس راتوں کو اور ان قیمتی لمحات کو بازاروں میں ضائع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔“ خیریت سے جب رمضان ختم ہوا تو اس بار عید پر فاطمہ اور اس کی امی کو الگ ہی سکون محسوس ہوا، کیونکہ اس بار انہوں نے رمضان المبارک الگ طریقے سے گزارا تھا۔ اس مبارک مہینے سے فیض یاب ہونے کی کوشش بھی کی۔ انہوں نے عائشہ خالہ کا دل سے شکریہ ادا کیا، جنہوں نے ان کی رہنمائی کر کے انہیں اندھیروں سے نکالا۔

### دوستی

بچوں کا کھیلنے میں ذرا بھی دل نہیں لگ رہا تھا۔ فیضان ان کے گروپ کا سب سے خاص ممبر تھا۔ وہ پچھلے کئی ہفتے سے کھیلنے نہیں آ رہا تھا۔ آج بھی وہ نہیں آیا تو بچے دکھی ہو کر گھاس پر بیٹھ گئے۔ نہال نے کہا، ”مجھے نہیں لگتا کہ فیضان اب کبھی ہمارے ساتھ کھیلنے کے لئے آئے گا، کرمو کاکا بتا رہے تھے کہ اس کے پاپا کا پروموشن ہو گیا ہے، وہ ایک بڑے آفیسر بن گئے ہیں بھلا وہ اب ہمارے ساتھ کھیلنے کیوں آئے گا؟“

”لیکن اس سے اس کا کیا لینا دینا؟“ اسلم نے پوچھا۔ اس پر فائق نے کہا: ”لینا دینا کیوں نہیں ہے؟ فیضان کے پاپا نے ایک کار خرید لی ہے۔ وہ اب اچھے اچھے کپڑے پہنتا ہے۔ یہاں ہمارے ساتھ کھیلنے سے اس کے کپڑے میلے ہو جائیں گے۔“

بھلا وہ کیوں آئے لگا؟“ ببلو بڑی دیر سے گھاس نوچ رہا تھا۔ اس نے اپنی خاموشی توڑی اور کہا، ”یہ سب ٹھیک ہے لیکن گھر میں وہ کس کے ساتھ کھیلنا ہو گا؟“



”اس کے لئے ایک اچھی سی گیند آ گئی ہے، اس کے پاس کمپیوٹر بھی ہے وہ طرح طرح کے کمپیوٹر گیم کھیلتا ہے۔“

اور ہاں! اس کے پاس ڈھیر ساری کہانیوں کی کتابیں بھی ہیں، اتنا سب کچھ ربتے ہوئے، اسے یہاں آنے کی ضرورت ہی کیا ہے کیوں نہ ہم خود کسی دن اس کے گھر چلیں؟“ وامق نے ببلو کی بات کا جواب دیا ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔“ وامق کی بات پر سب نے اتفاق کیا۔ دوسرے دن موقع پا کر وہ سب فیضان کے گھر جا پہنچے۔ اس وقت وہ گھر میں اکیلا ہی تھا۔ کرمو کا کا باہر پھولوں کو پانی دے رہے تھے۔

اپنے دوستوں کو دیکھ کر فیضان پھولا نہ سما۔ لیکن اگلے ہی پل وہ اداسی سے کہنے لگا، ”میں روزانہ تم سب کے ساتھ کھیلتے آنا چاہتا ہوں لیکن میرے ممی پاپا نے مجھے اس کے لئے منع کر دیا ہے، انہیں پارٹیوں میں جانے سے فرصت نہیں ہے اور میں یہاں اکیلا پڑا ہوں۔ دوسرے دن فیضان نے دیکھا کہ اس کے ممی پاپا کہیں فیضان کی آنکھیں بھر آئیں اور وہ رونے لگا۔

فیضان کی بات سن کر بچوں کا شک و شبہ دور ہو گیا۔ وہ سب سوچنے لگے کہ اب کیا کرنا چاہیے؟ نہال کے دماغ میں ایک ترکیب سوچھی۔ جب اس نے اپنی رائے ظاہر کی تو سب خوش ہو گئے، پھر سب بچوں نے مل کر اس پر مشورہ کیا اور فیضان کو خدا حافظ کہتے ہوئے لوٹ گئے۔ دوسرے دن فیضان نے دیکھا کہ اس کے ممی پاپا کہیں جانے کے لئے تیار ہو رہے تھے اس نے ممی سے پوچھا، ”آپ لوگ کہاں جا رہے ہیں؟“ ”ایک پارٹی میں جا رہے ہیں بیٹا! تم اپنا خیال رکھنا اور باہر نہیں جانا چپ چاپ گھر میں ہی کھیلتا اور ہاں! کرمو کا کا کو تنگ مت کرنا۔“

”ممی کہا فیضان نے پوچھا، ”کیا پارٹی میں جانا ضروری ہے؟“ یہ سُن کر اس کے پاپا نے جواب دیا: ”ہاں بیٹے، اس میں ہمارے سارے دوست آ رہے ہیں ہمیں سب کے ساتھ ملنا جلنا ہے، اس لئے ہمارا جانا ضروری ہے۔“ ”پاپا آپ دونوں یہاں گھر میں ہی پارٹی کیوں نہیں کر لیتے؟ وہاں جانے کی کیا ضرورت؟“ فیضان نے کہا یہ سن کر اس کے پاپا کو بڑی حیرانی ہوئی۔ انہوں نے اسے پیار کرتے ہوئے کہا، ”بھلا ہم گھر میں اکیلے پارٹی کیسے کر سکتے ہیں؟ اس کے لئے ہمارے سب ہی دوستوں کا ہونا ضروری ہے، اس لئے تو ہم وہاں جا رہے ہیں۔“ موقع پاتے ہی فیضان نے اپنی بات کہہ دی، ”پاپا! جب آپ دونوں گھر میں اکیلے پارٹی نہیں کر سکتے تو میں بھلا یہاں اکیلا کیسے کھیل سکتا ہوں؟ میرے بھی تو دوست ہیں جن سے میں ملنا چاہتا ہوں ان کے ساتھ کھیلتا چاہتا ہوں اور خوب ساری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن آپ تو مجھے باہر نکلنے ہی نہیں دیتے میں گھر میں بند ہو کر نہیں رہنا چاہتا۔“ اتنا کہتے کہتے فیضان کا گلا رندھ گیا اور وہ رونے لگا۔ اس کے ممی پاپا کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اس کی ممی اس کے پاس آئیں اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں، ”ہم سے بڑی بھول ہو گئی بیٹا! آج سے تم روز اپنے دوستوں کے ساتھ کھیلو گے۔“

تب ہی کرمو کا کا نے آ کر کہا، ”فیضان بیٹا، آپ کے دوست باہر کھڑے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔“ اتنا سُن کر وہ باہر کی طرف دوڑا۔ بچے دوبری خوشی کے ساتھ کھیل رہے تھے کیونکہ آج ان کے گروپ کا خاص ممبر ان کے ساتھ کھیل رہا تھا۔

### نکما بندر

گنگناتے ہوئے بھورا بندر ٹوکری میں پھل لئے گھر کی طرف واپس جا رہا تھا کہ راستے میں اسے نکما بندر مل گیا۔ ”واہ بھئی واہ! اچھی اچھی خوشبو والے تازہ تازہ پھل جمع کئے ہوئے ہیں آپ نے، یہ تو باہر سے ہی اتنے اچھے معلوم ہو رہے ہیں اندر سے ان کا ذائقہ کیسا شاندار ہو گا“ نکمے بندر نے پھلوں کی ٹوکری للچائی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”ارے بھائی! بارشوں کے بعد تو جنگل میں ہر طرف پھل فروٹ تازہ ہیں، سارے جانور آج کل انہیں کھا رہے ہیں اور جان بنا رہے ہیں، لیکن تمہیں اتنی حیرت کیوں ہو رہی ہے اور تم اتنے کمزور کیوں ہو رہے ہو؟“ بھورے بندر نے کہا۔ ”تمہارے سوال کا جواب اس میں ہے“ نکمے بندر نے اپنی ٹوکری سے پتے ہٹاتے ہوئے کہا۔

”ارے یہ کیا؟ تمہارے پاس سارے پھل خراب اور سڑے ہوئے ہیں، ان میں کوئی بھی تازہ نہیں ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟“ بھورے بندر نے حیرت سے سوال کیا۔

نکمے بندر نے جواب دیتے ہوئے کہا، ”دراصل میں نے درختوں پر چڑھنا چھوڑ دیا ہے، اوپر چڑھ کر میں خود کو تکلیف میں نہیں ڈالتا۔“

”پھر تم یہ سب کہاں سے جمع کرتے ہو؟“ بھورے بندر نے پوچھا۔ نکمے بندر نے کہا، دوسرے جانوروں سے جو گر جاتے ہیں یا جنہیں وہ آدھا کھا کر چھوڑ دیتے ہیں انہیں اٹھا لیتا ہوں، یا کسی سے مانگ کر رکھ لیتا ہوں، اس طرح میرا کام ہو جاتا ہے۔“

”اچھا! تو تم نے محنت کرنا چھوڑ دی ہے، اور بھکاری بن گئے ہو جو خراب اور دوسروں کے بچے کھچے اور پھینکے ہوئے پھل کھا رہے ہو۔“ بھورے بندر نے افسوس سے کہا۔ میرے بھائی! دراصل مجھ سے محنت نہیں ہوتی، آپ چاہے اسے جو بھی نام دو، نکمے بندر نے کاہلی بتانے کے بعد پھل مانگتے ہوئے کہا، آپ کی ٹوکری تازہ پھلوں سے بھری ہوئی ہے، مجھے کچھ تازہ پھل دے جاؤ، تاکہ آج میں ان کو کھا سکوں، یہ مجھ پر آپ کا بڑا احسان ہو گا۔“

”اگر آج میں تمہیں مانگنے پر دے دوں تو میرا یہ احسان نہیں بلکہ ظلم ہو گا اور تمہاری مانگنے کی عادت پکی ہو جائے گی اور محنت سے تمہیں موت آنے لگے گی۔ تمہیں چاہئے محنت کرو اور دوسروں سے مانگنا چھوڑ دو“ یہ کہتے ہوئے بھورے بندر نے اپنی ٹوکری اٹھائی اور بغیر کچھ دینے وہاں سے چلا گیا۔ پیارے بچو! دوسروں سے مانگنے اور سوال کرنے کی عادت بُری ہے، اس کی وجہ سے انسان سُست اور کام چور بن جاتا ہے۔ ہمیں چاہئے کہ بھورے بندر کی طرح ایسے لوگوں کی بات نہ مان کر مانگنے کی بُری عادت سے جان چھڑانے میں ان کی مدد کریں۔

### علی کا خواب پورا ہوا

آنکھ ابھی لگی ہی تھی تو ماں نے آواز دی اُٹھو بیٹا کام پر جانے کا وقت ہو گیا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے رات پل بھر کی اور دن سو برس کا، لنگڑے کا ہوٹل چائے والا، چک چوالیس میں بڑا مشہور ہے۔ یہ ہوٹل سڑک کے چاروں طرف سے نظر آتا ہے۔ اس ہوٹل میں لوگ بڑی بڑی دور سے چائے پینے آتے ہیں۔ ہوٹل کا مالک بڑا ہنس مکھ ہے، اکثر رات 10 بجے کے بعد لوگوں کو یہ بزرگوں کے قصے کہانیاں سناتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ ہوٹل کم چوپال کا منظر زیادہ نظر آتا ہے۔ علی کو سارا دن کبھی گاہکوں کی تو کبھی مالک کی جلی کئی سننی پڑتی ہیں۔ علی کہتا ہے جب کام کرنا ہے تو پھر غصہ کیسا کبھی ادھر سے آواز آئی تو کبھی ادھر سے جی ہاں جی ہاں کہتے کہتے صبح سے شام ہو جاتی ہے پھر ایک نیا دن اس طرح شروع ہو جاتا۔

علی پوچھتا ”صاحب جی اخبار میں کیا لکھا ہے۔“

اور وہ کہتا ارے پہلے مجھے ٹھیک طرح سے تو پڑھ لینے دو، تمہیں بھی بتا دوں گا جاؤ جا کے چائے لاؤ سارا دن اس طرح کبھی کسی کو تو اور کبھی کسی کو اخبار میں لکھی ہوئی خبروں کو پوچھتا رہتا۔ اس طرح علی کا وقت گزرتا چلا گیا، علی 10 برس سے 15 برس کا ہو گیا۔ ایک دن رمضان سے قبل ہوٹل کے مالک نے علی کو

آواز دی اور کہا ”آج رمضان کا چاند نظر آگیا ہے، کل سے اپنا ہوٹل بند تم کوئی مہینے بھر کے لئے ہر سال کی طرح تم کوئی دوسرا کام تلاش کر لو۔“

یہ بات سن کر علی بہت پریشان ہو گیا، شام کو گھر آکر خاموشی سے رات کا کھانا کھانے بغیر سو گیا۔ صبح کو علی کی ماں نے اٹھنے کو کہا اور کہنے لگی کہ بیٹا سبھی کام کھانے پینے والے تھوڑی ہوتے ہیں، تم کہیں مزدوری کیوں نہیں کر لیتے۔ ماں کی یہ بات سن کر علی کی کچھ پریشانی کم ہوئی، سوچا ٹھیک ہے اس طرح گھر کا چولہا بھی جلتا رہے گا۔ مزدوری کے لئے مزدوروں کے اڈے میں کھڑا ہو گیا، تھوڑی ہی دیر میں بڑی سی گاڑی میں سے ایک شخص اترآ۔

اس نے بہت پیار سے بلایا اور کہا بیٹا کام کرو گے۔ علی نے جواب دیا جی ہاں! صاحب جی کروں گا۔ علی نے پوچھا ”آپ مجھ سے کون سا کام کروائیں گے۔“

صاحب بولا میرے سکول کی دیوار ٹرک کی ٹکر سے ٹوٹ گئی ہے، مجھے ایک مزدور کی ضرورت ہے کیا تم چلو گے میرے ساتھ۔ علی نے جب سکول نام سنا تو علی کی آنکھوں میں آنسو نکل پڑے اور گاڑی والا صاحب پوچھتا رہا تم مزدوری کے کتنے پیسے لو گے مگر وہ خوشی سے کچھ بھی منہ سے نہ بول سکا اور دو چار روز میں یہ کام ختم ہو گیا۔

سکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب نے بلایا اور مزدوری کے پیسے دیئے، ساتھ یہ بھی کہا بیٹا ہمارے سکول کا چوکیدار بیمار ہو گیا ہے اگر تم چاہو تو کچھ دنوں کے لئے ہمارے پاس چوکیدار کی نوکری کر سکتے ہو۔ اس طرح تمہیں سکول میں کام کرنے کا موقع مل جائے گا۔ ہماری ضرورت بھی پوری ہو جائے گی۔ علی کے لئے اس سے بڑی خوشی کی بات اور کیا ہو سکتی تھی۔

کچھ ہی دنوں میں علی نے سکول کے ماحول کو اپنا لیا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اپنے اندر بہت سی تبدیلی محسوس کی۔

علی نے ایک دن ٹیچر سے کہا سر جی چھٹی کے بعد جب آپ دوسرے بچوں کو ٹیوشن پڑھاتے ہیں کیا میں بھی پڑھ سکتا ہوں۔ ٹیچر یہ بات سن کر بہت خوش ہوا اور کہنے لگا علی بیٹا ابھی آپ کی عمر ہی کیا ہے تم چاہو تو بہت آگے جا سکتے ہو، اس طرح علی کا تعلیمی دور شروع ہو گیا۔ اندر ہی اندر علی نے پڑھنا لکھنا شروع کر دیا۔ سکول کی یہ نوکری علی کے لئے کامیاب ثابت ہوئی۔

وقت گزرتا چلا گیا اور علی پڑھتا چلا گیا۔ آج علی کو اس سکول میں کام کرتے ہوئے 12 سال گزر چکے ہیں۔ یہ بات کوئی نہیں جانتا تھا۔ علی نے پرائیوٹ اکیڈمیوں میں پڑھ کر بی اے پاس کر چکا ہے۔ علی ایک خاص دن کا انتظار کر رہا تھا۔ آخر یہ موقع آبی گیا، ہیڈ ماسٹر صاحب نے علی کو آواز دی میرے لئے باہر سے اخبار لاؤ، علی کو بچپن ہی میں اخبار پڑھنے کا شوق تھا جب علی نے اخبار خریدا تو سب سے پہلے اندر کا صفحہ کھولا جہاں نوکریوں کے اشتہار پر علی کی نظر پڑی۔

اس میں سب سے بڑی نوکری گورنمنٹ کالج میں ہیڈ کلرک کی تھی۔ علی یہ خبر پڑھ کر خوشی سے جھوم اٹھا اور دوڑا دوڑا آکر ہیڈ ماسٹر صاحب سے کہنے لگا سر جی! آپ مجھے یہ ہیڈ کلرک کی نوکری دلوا دیں۔ ہیڈ ماسٹر صاحب اور دوسرے ٹیچر علی کی یہ بات سن کر حیران ہو کر کھل کر ہنسنے لگے۔ علی کیا آج تم پاگل تو نہیں ہو گئے یہ نوکری تو بی اے پاس کی لکھی ہوئی ہے۔

تم تو ایک معمولی چوکیدار ہو تم نے اتنا بڑا خواب کیسے دیکھ لیا۔ علی نے جواب دیا سر جی! میں نے اس سکول میں بہت کچھ پایا ہے، نوکری کے ساتھ ساتھ میں نے اپنی تعلیم کو بھی جاری رکھا۔ پرائیوٹ اکیڈمیوں کے ذریعے سے بی اے کا امتحان پاس کر لیا ہے۔ اس بات کا صرف ماسٹر غلام حسین کے سوا کسی اور کو علم نہیں۔

جی ہاں! ہیڈ ماسٹر صاحب علی نے جو کچھ بھی کہا وہ سب سچ ہے۔ علی اب ایک چوکیدار نہیں بلکہ اس ملک کا عظیم شہری ہے جس پر جتنا بھی ناز کرو وہ کم ہے۔ اس طرح علی کامیابیوں کی منزلیں طے کرتا چلا گیا مگر علی کہتا ہے لنگڑے کے ہوٹل کی چائے کا مزہ میں ابھی تک نہیں بھولا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ماریہ نامی ایک بچی، ایک چھوٹے سے شہر میں اپنے امی ابو کے ساتھ رہتی تھی۔ اس گھر میں ان کے ساتھ بہت ڈھیر ساری بلیاں بھی رہتی تھیں تقریباً ہر رنگ ہر نسل کی کالی، سفید، بھوری، سنہری بالوں والی پیاری پیاری سی بلیاں! ماریہ کا گھر ارد گرد کے لوگوں میں ”بلیوں کے گھر“ کے نام سے مشہور تھا۔ علاقے کے لوگ حیران ہوتے کہ اتنی بلیاں ایک ساتھ، بلیوں کے ساتھ ان کے ننھے منے بچے بھی اس گھر میں اچھلتے کودتے نظر آتے۔ اس کے ابو کو جب بھی کام سے فرصت ملتی تو وہ بھی اپنی بیٹی کے ساتھ ان بلیوں کی ضیافت کا اہتمام کرتے۔

ماریہ کا معمول تھا کہ پہلے اپنی پڑھائی لکھائی کے کام سے فارغ ہوتی اور پھر اپنی بلیوں کے ساتھ کھیلتی، انہیں گرم دودھ میں روٹی بھگو کر کھلاتی۔

ماریہ کی امی جس طرح اپنی بیٹی کو موسم کی سختیوں سے بچاتی تھیں، بالکل اسی طرح بلیوں کا بھی خیال رکھتی تھیں۔ ارد گرد رہنے والے لوگوں کے گھروں میں جب چوبے لاتعداد ہو جاتے تھے، تب وہ ماریہ کی بلیوں کیلئے اپنے گھروں کے دروازے کھول دیتے تھے تاکہ بلیاں چوبوں کا صفایا کرنے کے ساتھ ساتھ اپنا پیٹ بھر لیں۔ بلیوں کے اس کام کے انعام کے طور پر ان کے بچوں کو دودھ ملانی بھی کھلائی جاتی۔

یہ سلسلہ کئی برسوں سے جاری تھا۔

چوبوں کا شکار کرنے کے علاوہ صرف سال میں ایک بار ماریہ اپنی بلیوں سے جدا ہوتی تھی، وہ اس وقت جب وہ اپنے پاپا اور مامی کے ساتھ تعطیلات گزارنے اپنی دادی کے گھر جاتی تھی۔ آج بھی وہ تینوں گھر سے روانہ ہو رہے تھے، بلیوں کی دیکھ بھال کیلئے ان کے گھر کے چوکیدار اور پڑوسیوں نے اپنی خدمات پیش کر دی تھیں۔ اس لئے ماریہ بے فکر تھی۔

گیٹ سے گاڑی نکالتے ہوئے غلطی سے کھلی ڈنگی سے ایک ڈبہ لڑھک کر گیٹ کے اندر کی جانب گملوں کے پیچھے چلا گیا۔ بلیوں کو چوکیدار کے سپرد کر کے وہ سب تو چلے گئے لیکن یہاں بلیاں تھیں اور ان کا گھر۔ ایک ننھے منے بلی کے بچے نے میاؤں میاؤں کی اور گملے کے پیچھے جا کر ڈبے کو سونگھا، ڈبے سے سونڈھی سونڈھی خوشبو آ رہی تھی ایک قد آور بلی نے زور سے میاؤں کر کے اپنی لمبی وزنی ٹانگ اندر کی اور بڑی مشکل سے ڈبے کو گملے کے پیچھے سے نکالا، اب سب بلیاں جمع ہو کر میاؤں میاؤں زبان میں باتیں کرنے لگیں۔

ایک بے حد خوبصورت بلی نے کہا ”گھر پر اس وقت کوئی فرد نہیں، میں اب وزیر اعلیٰ نہیں، بلکہ وزیر اعظم ہوں“ سب بلیوں نے ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھ کر میاؤں کہا۔ ایک قدرے بوڑھی اور فریبی مائل جسمات کی بلی نے کہا ”میں صدر ہوں، اس لئے اب آپ سب اچھی بلیاں بن کر چب ہو جائیں۔“

وزیر اعظم بلی نے کہا ”ملک اس وقت اکیلا ہے، ملکی وسائل بے حد کم ہیں، حالات کیسے ٹھیک ہوں؟“ تو قد آور بلی بولی ”ہم گھر کی سرحدوں میں رہ کر چوبے تو مار رہے ہیں، جب تک چوبے باقی ہیں، ہمیں کھانے کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں“ تو ایک چھوٹے قد کی بلی کھڑے ہو کر بولی ”ابھی وسائل کم نہیں ہیں، یہ ڈبہ جو غلطی سے یہاں رہ گیا ہے، ہو سکتا ہے اس میں ہمارے لئے“ ابھی بات اس کے منہ میں تھی کہ ایک بلی جو انتہائی سمارٹ تھی، وہ چلائی، ”اس ڈبے سے آنے والی خوشبو سے لگتا ہے کہ اس میں تازہ تازہ پنیر ہے، میں وزیر صحت ہونے کے ناطے آپ سب کو بتا رہی ہوں کہ اس کو کھانے سے ہم سب کی صحت بہتر ہو گی“ تب ہی وزیر خوراک بلی نے میاؤں کی آواز کے ساتھ سب کو متوجہ کیا ”میرے خیال میں اس کا وزن دو کلو ہے اور اس میں پنیر نہیں بلکہ تازہ کھویا نما برفی ہے“ سب بلیاں پنیر اور برفی کا نام سن کر بے قرار ہو گئیں۔

ایک چست بلی نے لپک کر چھلانگ لگائی۔ ڈبے کے ارد گرد چکر اتی بلیوں کو گھورا اور بولی، ”ہم سب کو عدل و انصاف سے فیصلہ کرنا چاہئے یہ ڈبہ غلطی سے یہاں رہ گیا ہے، یقیناً آنتی نے دادی کیلئے کوئی نرم گرم ڈش تیار کی ہو گی، چوری گناہ ہے، ہمیں اس ڈبے کو ایک امانت سمجھنا چاہئے“ جس پر قد آور بلی جھاگ کی طرح بیٹھ گئی۔

ایک دم گاڑی کے ٹائر چرانے کی آواز آئی۔

بلیاں ایک دم چوکنا ہو کر کھڑی ہو گئیں۔ ماریہ کے ابو گیٹ کھول رہے تھے اور آنتی، ماریہ کے ساتھ دادی کا ہاتھ تھام کر اپنے اندر لا رہی تھیں۔ آنتی نے ڈبہ پودوں کے درمیان رکھا دیکھا تو بولیں ”ارے! یہ ڈبہ ادھر ہی رہ گیا تھا، یہاں پر پڑا ہے“ ماریہ کے ابو نے جھک کر ڈبہ اٹھایا اور دادی جان کو تھما دیا۔ دادی جان نے محبت اور اطمینان سے بھرپور نظروں سے بلیوں کو دیکھا اور ڈبے میں سے تھوڑا سا کھویا نکال کر سب بلیوں کو ڈالنے لگیں، بلیوں نے خوشی سے میاؤں میاؤں کیا اور کھویا کھانے لگیں۔

دادی جان، ماریہ کے ہمراہ بلیوں کے گھر رہنے آ گئی تھیں اس طرح پیاری پیاری بلیوں کی ایمانداری اور نیکی کا صلہ انہیں دادی کی شفقت حاصل کر کے مل گیا۔  
پیارے بچو! جب بھی آپ اپنے ارد گرد کوئی بلی دیکھیں تو اس کے ساتھ ویسی ہی شفقت کا برتاؤ کریں، جس طرح ماریہ اور اس کے گھر والے اپنی بلیوں کے ساتھ اچھے رویے سے پیش آتے تھے۔

### خوشامد بُری بلا ہے

ایک ہرے بھرے جنگل میں بہت سے جانور رہتے تھے۔ جنگل کا شیر بوڑھا اور عقلمند تھا جسکی وجہ سے سبھی جانور پُرسکون زندگی بسر کر رہے تھے۔ جانوروں کی آپس میں علیک سلیک اور دوستی بھی تھی جب فارغ ہوتے تو خوب گپ شپ ہوتی۔ لومڑی اور بھیڑیا بچپن سے دوست تھے، جب ملتے خوب باتیں ہوتیں۔ ایک دن سرراہ اُن کی ملاقات ہوئی تو بھیڑیے نے کہا -  
بی لومڑی اب جنگل کا شکار کم ہو رہا ہے، حضرت انسان نے شکار کر کے ہم جانوروں پر بڑا ظلم کیا ہے، اب مجھے دیکھو بھوکا ہوں بھیڑ نام کی کوئی چیز نظر نہیں آرہی۔ اب تو جنگل کے ارد گرد بھی بھیڑیں کم ہو گئی ہیں، کھانے کو ترس گیا ہوں کہیں بھی شکار.....  
کیا مطلب؟ شکار نہیں ملتا..... اگر عقل پوتو شکار بہت ہے.....  
بی لومڑی..... اب جانور بہت ہوشیار ہو گئے ہیں، اتنا ڈرتے ہیں کہ انسان کو دیکھ کر چھپتے پھرتے ہیں، ہمیں دیکھ کر ادھر ادھر ہو جاتے ہیں۔

اب توٹی وی کیبل نے اتنا ہوشیار کر دیا ہے کہ فوراً ہی مس کال کر کے ہوشیار کر دیتے ہیں، اب تو ٹویٹر اور وائی فائی اور فیس بک بھی جانوروں کی دسترس میں ہیں۔  
اچھا آؤ ثرائی کرتی ہوں، لومڑی نے بھیڑیے کو ساتھ لیا اور ندی کی طرف چل پڑی وہاں دیکھا کہ مرغابیاں اور دوسرے جانور پانی میں تیر رہے تھے، اٹھکیلیاں کر رہے تھے لومڑی نے بھیڑیے کو جھاڑیوں میں چھپا دیا اور مرغابیوں کی طرف بڑھ گئی۔  
لومڑی نے مسکراتے ہوئے مرغابی سے کہا..... کیسی ہو میری دوست؟  
اچھی ہوں بی لومڑی آج خبر ہے تمہاری چالاکی کے بڑے قصے سن رکھے ہیں آج تمہارا دوست بھیڑیا نظر نہیں آ رہا؟ وہ جھاڑی میں بیٹھا ہے اور کہہ رہا ہے کہ مان نہیں سکتا..... لومڑی نے مکاری سے کہا۔  
وہ کہہ رہا ہے میں مان نہیں سکتا..... وہ کیا کہہ رہا ہے؟ مرغابی نے حیرانی سے پوچھا، چھوڑو میری فرینڈ مرغابی..... وہ بھیڑیا ہے، اُسکا کیا کہنا..... بی لومڑی نے کہا پھر بھی وہ کیوں جھاڑی میں چھپا بیٹھا ہے؟ مرغابی نے حیرت سے پوچھا۔

اصل میں وہ کہہ رہا ہے کہ مرغابی کے پر بڑے سخت ہوتے ہیں، اگر اس کا تکیہ بنایا جائے تو کوئی اُس پر سو نہیں سکتا مگر میں کہتی ہوں تمہارے پر نرم ہوتے ہیں، خوبصورت ہوتے ہیں ان کا تکیہ بڑا نرم ہوتا ہے۔  
تمہارا دوست بھیڑیا غلط کہتا ہے میرے پر واقعی نرم و نازک ہوتے ہیں۔ مرغابی نے گردن پانی میں ڈال کر نکالی۔ ہاں یہی بات میں نے بھیڑیے سے کہی تھی مگر وہ مانتا نہیں، کہتا ہے مرغابی کے پر اتنے نرم نہیں ہوتے جتنا کہ سمجھ لیا گیا ہے یہ کہہ کر لومڑی واپسی کو مڑی۔

اُسے بتاؤ کہ میرے پر سب سے نرم ہوتے ہیں مرغابی نے اونچی آواز سے کہا اور پانی میں غوطہ لگایا اور دو چار گز دور جا نکلی اپنے پڑوں کو جھاڑا۔  
میں اُسے بتا دیتی ہوں کہ تمہارے پر... لومڑی واپس مڑی تم ایسا کر و کہ ایک پر مجھے دیدو تاکہ اُسے چھو کر اُسے یقین ہو جائے ٹھیک ہے میں تمہیں اپنی دم کے چند پر دیتی ہوں یہ کہہ کر مرغابی اپنے نرم پر دینے کیلئے جونہی لومڑی کی طرف بڑھی لومڑی نے اُسے دبوچ لیا اور دو چار نوالوں میں ہڑپ کر گئی اور اُسکے نرم و نازک پروں کا تکیہ بنا کر بیٹھ گئی۔

بھیڑیا یہ سب حیرت سے دیکھ رہا تھا، لومڑی بولی دیکھا تمہیں یہاں ہر وقت شکار مل سکتا ہے، بس عقل استعمال کرنے کی ضرورت ہے... کیا سمجھے.....؟  
یہ سن کر بھیڑیا جھاڑی کی اوٹ سے نکلا اپنے جسم پر مٹی اور کیچڑ لگا کر ندی کی طرف بڑھ گیا۔ اپنے جسم کو پانی سے صاف کرتے ہوئے ایک مرغابی سے باتیں کر رہا تھا کہ میری فرینڈ لومڑی کا کہنا ہے....  
وہ کیا کہتی ہے؟ مرغابی نے حیرت سے پوچھا۔  
”میری دوست لومڑی کہتی ہے کہ مرغابی کے پر بہت سخت ہوتے ہیں کچھ دیر بعد لومڑی کو پھڑ پھڑاہٹ کی آواز آئی اور لومڑی سمجھ گئی کہ اس کے دوست نے بھی وہی حربہ استعمال کیا ہے ”سچ ہے کہ خوشامد بُری بلا ہے۔“

### چمکتے ستارے

رات کا وقت تھا، آسمان ستاروں سے جھل مل کر رہا تھا، ثمن کی نظریں ستاروں کی جانب تھیں خاصی دیر سے وہ ٹٹکتی باندھے اُنہیں دیکھ رہی تھی کبھی مشرق کی جانب ستاروں کو گھورتی تو کبھی مغربی ستاروں کو دیکھتی۔ ان میں ایک ستارہ زیادہ چمک رہا تھا اور اپنی چمک کی وجہ سے دوسروں سے منفرد نظر آ رہا تھا۔ ثمن کی نظر جب اُس پر پڑی تو اُسکی خوبصورتی نے اُسے اپنے اندر جذب کر دیا۔

وہ طویل سوچوں میں پڑ گئی۔ ”ستارے تو سب ایک جیسے ہوتے ہیں پھر اس ایک میں آخر ایسا کیا ہے جس نے اُسے دوسروں سے منفرد بنادیا ہے“، اُس نے دل ہی دل میں سوچا۔  
”ثمن اُٹھو بیٹا صبح ہو گئی ہے، سکول کیلئے دیر ہو رہی ہے“ امی نے کچن سے آواز دیتے ہوئے کہا۔ امی کی مسلسل آواز سے ثمن کی آنکھ کھل چکی تھی۔

”جی امی آئی، ثمن آنکھیں ملتے ہوئے بولی۔

ناشتہ تیار تھا اور میز پر لگ چکا تھا ثمن نے جلدی جلدی ناشتہ کیا اور اسکول کیلئے روانہ ہو گئی۔ مس نمرہ کا پریڈشروع ہو چکا تھا، مس نمرہ انگلش کی ٹیچر تھیں اور آج اُنہوں نے انگلش کی نظم ”سائیننگ اسٹار“ پڑھا نا تھی۔ وائنٹ بورڈ پر ”چمکتے ستارے“ کا عنوان دیکھ کر ثمن کو رات والا منظر یا د آگیا۔ ستارے ہی ستارے اُسکی آنکھوں کے سامنے تھے۔

اُسے اپنا سوال یاد آیا کہ آخر سب ستارے ایک جیسے کیوں نہیں ہوتے؟  
”اچھا تو یہ تھا ہمارا آج کا لیکچر، کسی کو کوئی سوال پوچھنا ہو تو پوچھ سکتا ہے“، مس نمرہ نے کتاب بند کرتے ہوئے کہا ثمن نے ہاتھ کھڑا کر دیا، ”جی پوچھیے کیا جاننا ہے؟“ مس نے ثمن کو اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”میم! اللہ نے تو سب ستاروں کو ایک جیسے پیدا کیا ہے، پھر کیوں کچھ زیادہ چمکتے ہیں اور کچھ کم؟“ ثمن نے کھڑے ہوتے ہوئے مود بانہ انداز میں سوال کیا۔

”زبردست سوال“، مس نمرہ نے مختصر کہا اور پھر جواب دینے لگیں۔

”دیکھیے ! جیسے اللہ نے سب انسانوں کو اعضا کے لحاظ سے برابر پیدا کیا ہے سب کو دو آنکھیں، دو کان، دو پاؤں اور دو ہاتھ وغیرہ دئیے ہیں۔ ان سب چیزوں میں ان کو یکساں بنایا ہے لیکن ان کو ایک دوسرے سے منفرد کرنے کیلئے کسی کو ذہین بنایا تو کسی کو تخلیق کار، کسی میں کوئی ہنر رکھا تو کسی میں کوئی اور۔ بالکل اسی طرح اللہ نے سب ستاروں کو کچھ خصوصیات کی بنا پر یکساں بنایا اور کچھ میں ان کو ایک دوسرے سے مختلف کیا جیسے کچھ کم چمکتے ہیں اور کچھ زیادہ اور کچھ چھوٹے ہیں اور کچھ بڑے“؛ مس نمرہ نے جواب دیا۔

”جو ستارے زیادہ چمکتے ہیں وہ کم چمکتے ستاروں سے بہتر ہوتے ہیں“؛ ثمن نے ایک بار پھر سوال کیا۔ ”ہر گز نہیں، غور کریں تو چمکتے ہوئے ستاروں کی چمک کا اندازہ ہمیں تب ہوتا ہے جب ان کے آس پاس کم چمکتے ستارے ہوں، یہی بات ان کو اہم بناتی ہے۔

ہمارے ارد گرد کے لوگ ہی ہماری پہچان ہوتے ہیں اور وہی ہمیں منفرد بناتے ہیں“؛ مس نمرہ نے جواب دیا۔ ”واہ جی ! زبردست“؛ ثمن نے مس نمرہ کے جواب پر کہا۔

ثمن آج بہت خوش خوش گھر لوٹی کیونکہ اُسے اپنے سوال کا جواب مل گیا تھا اور اُسے اب یقین ہو گیا تھا کہ دنیا کی کوئی چیز بھی دوسری چیز پر فضیلت نہیں رکھتی ہے سب چیزوں کی اپنی انفرادی خصوصیات ہوتی ہیں جو اُسے دوسروں سے مختلف بناتی ہیں۔

### صبر کا پھل

فزا اور ایان دونوں بہن بھائی تھے۔ ان کے امی ابو ٹرین حادثے میں فوت ہو گئے تھے، اس لئے وہ دونوں اپنی پھوپھو ثمنہ کے ساتھ رہتے تھے۔ پھوپھی فزا سے سارے گھر کا کام کراتی تھیں۔ یہ سب دیکھ کر ایان کو بہت دکھ ہوتا۔ وہ اپنے جیب خرچ سے جو چیز خریدتا اور رات کو اپنی بہن کے ساتھ کھاتا، کیونکہ پھوپھی فزا کو جیب خرچ نہیں دیتی تھیں۔

وہ فزا کو اسکول بھی نہیں بھیجتی تھیں۔ پھوپھا کا شہر سے باہر بڑا کاروبار تھا۔ یوں ہی دن گزرتے گئے۔ ایان اور فزا اب تھوڑے بڑے اور سمجھ دار ہو گئے تھے۔ معمول کے مطابق آج بھی ایان اپنی پھوپھو کے ساتھ بازار گیا تھا۔ ایان کے پاس صرف پچاس روپے تھے۔ اس نے ان پیسوں میں بہن کے لئے چوڑیاں خرید لی تھیں۔ پھوپھو اور ایان بازار گئے تب فزا گھر میں جھاڑو لگا رہی تھی کہ اسے پھوپھو کے کمرے میں قدموں کی آہٹ سنائی دی۔

اس نے قریب پڑا ڈنڈا اٹھایا اور آہستہ آہستہ پھوپھو کے کمرے کی طرف چل دی اور چھپ کر کھڑکی سے دیکھنے لگی۔ ایک چور ہاتھ میں گٹھڑی اٹھائے باہر کی طرف آ رہا تھا۔ فزا یہ سب دیکھ کر دروازے کے پیچھے چھپ گئی۔ جیسے ہی چور باہر آیا فزا نے ڈنڈا گھما کر اس کے سر پر دے مارا۔ چور دھڑام سے گر پڑا۔ اتنے میں گھنٹی کی آواز آئی۔

فزا نے جب دروازہ کھولا تو اس کی پھوپھو سامنے کھڑی تھیں۔

اس نے سارا ماجرا سنایا۔ پھوپھو نے بچوں کے ساتھ مل کر چور کو رسیوں سے باندھ دیا اور پولیس کو فون کیا۔ پولیس آکر چور کو لے گئی۔ پھوپھو کو احساس ہوا کہ جو بچی ان کو ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی اس بچی نے آج ان کے لئے اتنا کچھ کیا ہے۔ یہ سوچ کر پھوپھو نادم ہو گئیں۔ اب وہ ایان کی طرح فزا سے بھی اچھا سلوک کرنے لگیں۔

### جلتے ہوئے نوٹ

ادھیڑ عمر کے غلام علی صاحب کسی نجی کمپنی میں ملازم تھے۔ ایک دن شام کو گھر میں داخل ہوئے اور اہلیہ سے پوچھا: ”بجلی کا بل آ گیا ہے؟“

انہوں نے جواب میں صرف ”جی“ کہا۔  
”کتنا بل آیا ہے؟“ غلام علی صاحب بولے۔  
جواب ملا: ”نو ہزار اکیاسی روپے۔“

”نو ہزار اکیاسی روپے۔“  
”غلام علی نے دبی آواز میں بیوی کے بتائے ہوئے بندسے دہرائے پھر ان کی نگاہ غسل خانے کی طرف گئی۔ انہوں نے بیگم سے پوچھا غسل خانے میں کون ہے؟“  
”کوئی بھی نہیں۔“ بیگم نے جواب دیا۔  
”پھر یہ بلب کیوں جل رہا ہے؟“ غلام علی نے سوال کیا۔  
”بچوں نے جلایا ہو گا؟“ بیوی نے لاپرواہی سے جواب دیا۔  
”تو تم بلب بند کر دیتیں۔“

”غلام علی نے بیوی کو گھورا۔  
”کتنی بار بند کرتی! ایک بار کا تو مسئلہ نہیں ہے جب بھی بلب بند کرتی ہوں بچے دوبارہ کھول کے بھول جاتے ہیں۔“  
غلام علی نے اوپر دیکھا وہاں جو کمرا تھا، اس کا بلب بھی جل رہا تھا اور پنکھا چلنے کی آواز بھی آ رہی تھی۔ ”اوپر کون ہے؟“ انہوں نے پوچھا۔  
”آپ کا لاڈلا بیٹا ہوم ورک کر رہا ہو گا۔“  
”بیوی نے بتایا۔“

”لیکن وہ تو مجھے راستے میں نظر آیا تھا۔ اپنے دوست کے ساتھ جا رہا تھا۔“ غلام علی نے کہا۔  
بیوی نے ماتھے پر ہاتھ مارا اور بتایا: ”ہاں مجھے یاد آیا۔ ارشد اوپر بیٹھا پڑھ رہا تھا۔ اس کے دوست نے گھنٹی بجائی وہ دروازے پر گیا اور شاید کسی کام سے اس کے ساتھ نکل گیا۔“  
غلام علی نرم لہجے میں بولے: ”تو اسے چاہیے تھا کہ پنکھا بند کرتا اور بلب بند کر کے جاتا۔“

بیوی نے جواب دیا: ”اب اسے کیا معلوم تھا کہ اس کا دوست اسے کہیں لے جائے گا۔ اس کا خیال یہی ہو گا کہ بات سن کے واپس آ کر دوبارہ ہوم ورک کروں گا۔“  
غلام علی نے صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا بیڑے دھیمے لہجے میں سمجھایا: ”ارشد اگر دوست کے ساتھ چلا گیا تھا تو تمہیں چاہیے تھا کہ کسی بچے کو اوپر بھیج کر پنکھا اور بلب بند کروا دیتیں۔“  
فرض کیا۔ ارشد دو گھنٹے بعد گھر آتا ہے تو کیا جب تک اوپر کے کمرے کا پنکھا چلتا رہے گا اور بلب چلتا رہے گا؟“

بیوی نے بے زاری سے جواب دیا: ”اب میں کیا کیا کروں! کہاں کہاں دھیان دوں! یہ بچوں والا گھر ہے، ان کی غلطی ہے۔ آپ ہاتھ منہ دھو لیں، میں کھانا گرم کرتی ہوں۔“  
”کھانا رہنے دو گھر کی بدنظمی دیکھ کر میری بھوک ختم ہو گئی ہے۔“

نو ہزار اکیاسی روپے بل آیا ہوا ہے۔ اگلے ماہ یہ اس بل سے بھی زیادہ آ سکتا ہے۔ مہنگائی کس قدر بڑھ چکی ہے پیسہ کس طرح کمایا جاتا ہے؟ کتنی محنت سے یہ ہاتھ آتا ہے؟ پیسہ کمانا مشکل اور اڑانا آسان ہے۔ اگر تندور میں آگ جل رہی ہو اور ہمارا ایک سو کا نوٹ تندور میں گر کر جل جائے تو ہمیں افسوس ہو گا کہ سو روپے کا نوٹ ضائع ہو گیا ہے، لیکن یہی روپے ہم اپنی غفلت، سستی اور بے وقوفی سے بجلی کے بھاری بلوں کی نذر کر دیں تو کیا افسوس نہ ہو گا۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمیں کب عقل آئے گی؟

ہم اس بارے میں نہیں سوچتے۔ مجھے یقین ہے اگر ہم احتیاط کریں اور فالتو بلب بند کر دیں تو تین ہزار اکیاسی روپے کا بل آئے گا۔ یہ چھ ہزار بے احتیاطی والے بچ جائیں گے۔ یہی روپے ضرورت کی دوسری گھریلو چیزیں خریدنے پر خرچ کیے جا سکتے ہیں۔ ہزار ہزار کے چھ نوٹ تندور میں گر جائیں تو تمہاری کیا کیفیت ہو گی؟“  
ان کی بیوی یہ سب سن کر جلدی سے بولیں: ”ہائے! اگر میرے ہاتھوں سے چھ ہزار روپے تندور میں گر جائیں تو مارے صدمے کے میں تو بے ہوش ہو جاؤں گی۔“



غلام علی مسکرا کے بولے: ”بیگم! فضول بجلی استعمال کرنا، بس یوں سمجھ لو کہ ہزار ہزار کے چھ نوٹ آگ لگا کر جلانے کے برابر ہے نوٹ جلتے تندور میں جلائیں یا بجلی والوں پر قربان کریں، ایک ہی بات ہے چھ ہزار روپے کی ہم اگر خریداری کریں تو معلوم ہو گا کہ جو پیسے ہم نے احتیاط کر کے بجائے تھے وہ ہمارے کام آ گئے۔ ویسے بھی کفایت شعار اور دور اندیش لوگ اپنے آڑے وقت کے لئے کچھ نہ کچھ رقم بچا کے رکھتے ہیں، کہیں کسی اچانک ضرورت کے تحت کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے۔ جو لوگ پیسے اور وقت کو بے دردی سے برباد کرتے ہیں وہ اکثر پریشان رہتے ہیں۔ بیوی کچھ دیر تک سوچ و فکر میں مبتلا رہیں اور بولیں: ”بس آپ کی یہ بات میری سمجھ میں آ گئی ہے کہ اگر ہمارے ہاتھ سے سو روپے کا نوٹ تندور میں گر جائے تو ہم افسوس کرتے ہیں اور اپنی سستی سے ہم گھر کے فالتو بلب نہ بند کر کے ہزاروں روپے ضائع کر دیتے ہیں۔ اب میں خود اپنے ہاتھ سے یہ بلب بند کروں گی، چاہے اوپر والے کمرے کے بلب بند کرنے کے لئے مجھے سیڑھیاں چڑھ کے اوپر جانا پڑے۔“ غلام علی یہ بات سن کر مسکرائے اور بولے: ”بیگم تم نے میری پریشانی دور کر دی ہے۔ میں ہاتھ دھونے جا رہا ہوں تم کھانا گرم کرو بیڑے زور کی بھوک لگی ہے۔“

### خوشبو

دادا ابو راشد کو تیار ہونے کا کہہ کر ذرا باہر گئے تھے، جاتے ہوئے انہوں نے کہا تھا کہ میں آدھ گھنٹے تک آتا ہوں، تب تک تم تیار ہو جانا جمعہ کی نماز کا وقت ہونے والا ہے، میرے ساتھ مسجد جانا۔ ”ٹھیک ہے دادا ابو“ راشد نے سعادت مندی سے جواب دیا تھا۔ اب دادا ابو واپس آئے تو راشد بالکل بھی تیار نہیں تھا بلکہ مزے سے بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ دادا ابو کا موڈ سخت خراب ہو گیا۔ انہوں نے ناگواری سے پوچھا ”تم تیار کیوں نہیں ہوئے؟“ وہ دادا ابو... راشد بولا ”امی نے کہا ہے کہ تمہارے کپڑے تیار نہیں ہیں میں استری کرنا بھول گئی تھی اب بجلی بھی چلی گئی ہے، اور وقت بھی نہیں ہے اس لئے تم اگلے جمعہ کو مسجد چلے جانا“ دادا ابو چلے گئے لیکن وہ بہت ناراض دکھائی دے رہے تھے۔

رات کے کھانے کے بعد دادا ابو نے راشد کی امی کو بلایا اور کہا ”آپ نے مجھے بہت مایوس کیا ہے، اگر ماں بچے کو جمعہ کی اہمیت نہیں بتائے گی تو بچے کو نماز کی عادت کیسے پڑے گی؟ آپ نے راشد کے کپڑے تیار نہیں کئے اور کہہ دیا اگلے جمعہ کو مسجد چلے جانا اب رہنے دو“ راشد کی امی یہ سن کر ششدر سی رہ گئیں، انہوں نے راشد کی الماری سے اس کے دو شلوار سوٹ جو انہوں نے استری کر کے بینگر میں لٹکا رکھے تھے لا کر دادا ابو کے سامنے رکھ دیئے، اب دادا ابو ساری بات سمجھ گئے، انہوں نے راشد کو بلایا جو اپنی امی کو وہاں دیکھ کر اور بینگر میں اپنے کپڑے دیکھ کر بات کو سمجھ گیا اور بولا ”مجھے معاف کر دیں دادا ابو، اصل میں میری پسند کے کارٹون لگے تھے ٹی وی پر میں وہ دیکھ رہا تھا، جانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا، اس لئے ایسے کہہ دیا آئندہ ایسا نہیں کروں گا“ تم آئندہ بھی ایسے ہی کرو گے....!! امی نے غصے سے کہا ”جو اپنی ماں سے غلط بات منسوب کر سکتا ہے دادا ابو اور ماں کے بیچ غلط فہمی پیدا کر سکتا ہے وہ کچھ بھی کر سکتا ہے“ ماما نے دادا ابو کو بتایا کہ کچھ عرصے سے راشد کی عادت جھوٹ اور چغلی کرنے کی ہو گئی ہے، کل اس نے باورچی خانے میں قیمتی چائے دان توڑ دیا اور ماسی پر الزام دھر دیا، جب میں باورچی خانہ میں گئی چائے دان کے ٹکڑے دیکھے تو راشد نے فوراً کہا ”ماسی یہاں تھی ابھی اوپر کے کمرے کی صفائی کرنے گئی ہے“ اب جو میں نے ماسی کو بلا کر پوچھ گچھ کی تو وہ رونے لگی کہ اس نے تو چائے دان کو ہاتھ تک نہیں لگایا، بعد میں پتہ چلا کہ راشد نے باورچی خانے کی الماری سے بسکٹ نکالتے وقت لا پرواہی سے کام لیا اس طرح چائے دان ٹوٹ گیا ”یہ تو بہت ہی غلط بات ہے دادا جان بولے“ اگر بچے میں جھوٹ یا چغلی کی عادت پختہ ہو جائے تو یہ نہ صرف اس کے لئے نقصان دہ ہے بلکہ اردگرد کے لوگوں کے تعلق میں بگاڑ کا باعث بنتی

ہے، اس لئے ہمیں کچھ کرنا ہو گا امی نے کہا ”ٹھیک ہے آپ اسے سمجھائیں ان عادات کے نتائج سے آگاہ کریں اور میں بھی کوشش کرتی ہوں“ لیکن ایک بات ہے...! دادا ابو نے کہا ”راشد میں پہلے یہ عادت نہیں تھیں، کچھ عرصہ پہلے ہی پیدا ہوئی ہیں“ بالکل یہ ہی بات ہے ماما نے کہا ”میں بھی یہ ہی سوچ رہی تھی کہ راشد پہلے ایسا نہیں تھا، سچ بولتا تھا چاہے اسے ڈانٹ ہی پڑے غلط بیانی سے کام نہیں لیتا تھا“ ”اس کے لئے ہمیں کھوج لگانا پڑے گا کہ ایسا کیوں ہے“ دادا ابو نے کہا۔

اگلے روز راشد کی امی اس کے سکول گئیں تو اس کی کلاس ٹیچر اور پرنسپل سے پتہ چلا کہ راشد کا کلاس میں بھی یہ ہی رویہ ہے، راشد اور اس کا دوست فرحان مل کر دوسروں کو تنگ کرتے ہیں، لڑائیاں کرواتے ہیں، جب ٹیچر تک بات پہنچتی ہے تو صاف مکر جاتے ہیں، راشد کی امی نے کلاس ٹیچر سے کہا ”پہلے تو فرحان نام کا اس کا کوئی دوست نہیں تھا؟ یہ کب سے اس کا دوست ہے“ ٹیچر نے بتایا ”کہ فرحان تین ماہ پہلے ہی سکول میں داخل ہوا ہے پہلے یہ کسی دوسرے شہر میں تھا اس کے والد کا تبادلہ یہاں ہوا ہے اس لئے وہ اس سکول میں داخل ہوا ہے“ راشد کی امی اور ٹیچر نے جب یہ محسوس کیا کہ فرحان سے دوستی کے بعد راشد کے رویہ میں تبدیلی آئی ہے تو انہوں نے راشد کو فرحان سے دور کرنے کی کوشش کی، ٹیچر نے فرحان کو الگ بٹھانا شروع کر دیا، اس سے پہلے یہ ایک ہی سیٹ پر بیٹھتے تھے۔

امی جان اور ٹیچر نے آہستہ آہستہ ان دونوں کو بُری عادات کے نقصانات کے بارے میں سمجھانا شروع کیا۔ اصل میں فرحان بہت بگڑا ہوا بچہ تھا، اس کی دوستی کی وجہ سے راشد میں بُری عادات پیدا ہوئی تھیں، اب ٹیچر اور امی کے سمجھانے سے راشد سدھر گیا تھا اور اپنی حرکتوں پر شرمندہ بھی تھا، اسے احساس ہو گیا تھا کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے یعنی وہ چل نہیں سکتا، ایک نہ ایک دن کھل جاتا ہے اور پھر شرمندگی ہوتی ہے۔ اور اسے بڑوں کے سمجھانے سے یہ بات بھی سمجھ آ گئی تھی کہ بُری صحبت سے بچنا چاہیے، اس کا بہت نقصان ہوتا ہے، بُری صحبت شخصیت تباہ کر دیتی ہے۔ راشد کو یاد تھا کہ فرحان اسے کہتا تھا کہ یار جھوٹ بول دیا کرو اور مکر جایا کرو لیکن راشد کو اس کی بات پر عمل کر کے ہمیشہ شرمندگی ہی اُٹھانا پڑی تھی لیکن اب اس نے سوچ لیا تھا کہ اب وہ سوچ سمجھ کر اچھی عادات والے لڑکے کو اپنا دوست بنائے گا کیونکہ پھولوں کی صحبت میں رہنے والوں سے ہی خوشبو آتی ہے۔

### ماما مرغی اور بطخ بچ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک بطخ دریا کے کنارے رہتی تھی۔ وہ بیچاری ہمیشہ بیمار رہتی تھی۔ ایک دن اس کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی تو وہ ڈاکٹر کے پاس گئی۔ ڈاکٹر نے اسے بتایا کہ تمہاری بیماری ایسی ہے کہ تم جلد مر جاؤ گی۔ اسے یہ سن کر صدمہ ہوا کیونکہ اس کے پاس ایک انڈا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ اگر میں مر گئی تو اس انڈے کا کیا ہو گا، جس کے خول سے جلد ہی بچہ نکلنے والا تھا اور پھر اس بچے کو کون سنبھالے گا، لہذا وہ اپنے سب دوستوں کے پاس گئی جو جنگل میں رہتے تھے۔

اس نے اپنے دوستوں کو اپنی ساری کہانی سنائی لیکن انہوں نے مدد کرنے سے انکار کر دیا۔ بیچاری بطخ نے ان کی کافی منتیں کیں کہ خدا کے لئے تم لوگ مرنے کے بعد میرے بچے کو اپنے پاس رکھ لینا لیکن کسی نے اس کی بات نہ مانی۔

بیچاری بطخ بھی کیا کرتی۔ اس کے ذہن میں خیال آیا کہ کیوں نہ میں بھائی مرغے کے پاس جاؤں، وہ ضرور میری مدد کرے گا، لہذا وہ مرغے کے پاس گئی اور اسے سارا قصہ سنایا۔

”مرغ بھائی! آپ میرے بچے کے ماموں جیسے ہو پلیز آپ ہی میرے بچے کو اپنے پاس رکھ لینا۔“

مرغا بولا! میں تمہارے بچے کو رکھ لیتا لیکن میری بیگم مرغی یہ بات نہیں مانے گی، لہذا مجھے بہت افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ میں یہ کام نہیں کر سکتا مجھے معاف کر دینا۔“

بطخ ادھر سے مایوس ہو کر اپنے گھر واپس آ گئی اور سوچنا شروع کر دیا کہ اب کیا کیا جائے۔

اچانک اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی اور اس نے موقع ڈھونڈ کر یہ کام انجام دے دیا اور خود جا کر ایک درخت کے کنارے بیٹھ گئی۔ بطخ کی طبیعت بگڑ گئی اور ایسی بگڑی کہ وہ وہیں مر گئی۔ جب مرغی کے بچے انڈوں سے باہر نکلے تو ان میں ایک بطخ کا بچہ بھی تھا۔ مرغا سب جان گیا تھا کہ بطخ اپنا انڈا آنکھ بچا کر مرغی کے انڈوں کے ساتھ رکھ گئی ہے لیکن اس نے مرغی کو بتانا مناسب نہ سمجھا۔

مرغی نے کافی شور شرابہ کیا اور بولی میرے بچوں کے ساتھ بطخ کا بچہ نہیں رہے گا۔“

مرغی نے اسے کافی سمجھایا لیکن مرغی نے اس کا کہنا نہیں مانا اور اپنے بچوں کو بھی منع کر دیا کہ بطخ کے بچے سے کسی کو بات نہیں کرنی ہے۔ سب نے مرغی کی بات مان لی لیکن دو چوزوں نے اپنی ماں کی بات نہ مانی اور وہ جو خود کھاتے تھے۔ اپنے ساتھ اس بطخ کے بچے کو بھی کھلاتے تھے۔

مرغی کو بطخ کے بچے سے سخت نفرت تھی، وہ اسے دیکھنا بھی پسند نہیں کرتی تھی۔

ایک دن مرغی کے ذہن میں خیال آیا کہ ہم سب مل کر دریا کے کنارے سیر کو جائیں گے۔ سب واپس آ جائیں گے اور بطخ کے بچے کو وہیں چھوڑ آئیں گے۔ اس طرح اس سے جان چھوٹ جائے گی۔ وہ لوگ سیر کو نکلے وہاں پہنچتے ہی ایک چوزہ دریا کے کنارے چلا گیا اور ڈوبنے لگا۔

یہ دیکھ کر مرغی زور زور سے چیخنے چلانے لگی، بطخ کے بچے کو تیرنا آتا تھا، اُس نے فوراً دریا میں تیرنا شروع کر دیا اور اس چوزے کو نکال کر باہر لے آیا۔

مرغی نے جب یہ دیکھا تو اسے اپنے کئے پر کافی شرمندہ ہوئی اور اس نے بطخ کے بچے سے معافی مانگ کر اسے اپنا بیٹا بنا لیا۔ اس طرح وہ سب ہنسی خوشی رہنے لگے۔

دیکھا بچو! کیسے بطخ کے بچے نے مرغی کے بچے کو بچایا اور کیسے اس کا بھلا ہوا۔ اسی لئے تو کہتے ہیں کہ کر بھلا تو ہو بھلا۔

**چیونٹی کی معنی:** محنتی چھوٹا سا کیڑا

**ٹڈا کی معنی:** ایک اچھلنے والا کیڑا جو صرف کھیل کود میں لگا رہتا ہے

**راہ میں کی معنی:** راستے پر

**رکنا کی معنی:** تھم جانا یا آگے نہ بڑھنا

**جمع کرنا کی معنی:** اکٹھا کرنا، جیسا کہ دانے جمع کرنا

**بارش کی معنی:** آسمان سے پانی برسنے کا عمل

**بھیگتا ہوا کی معنی:** پانی میں تر ہو جانا

**کھٹکھٹانا کی معنی:** دروازہ بجانا

**بڑی غذا کی معنی:** اہم یا مکمل خوراک

**مشکل کا وقت کی معنی:** آزمائش یا پریشانی کا وقت

مدد کی معنی: کسی کی مدد کرنا، سہارا دینا

سست کی معنی: کام چور، جو کام نہ کرے

محنت کرنا کی معنی: دل لگا کر کام کرنا

ذکر کی معنی: بات، واقعہ بیان کرنا

درزی کی معنی: کپڑے سینے والا شخص

دکان کی معنی: چیزیں خریدنے یا بیچنے کی جگہ

بھاگنا کی معنی: تیزی سے دوڑ کر جانا

سونڈھ کی معنی: ہاتھی کی لمبی ناک

پھینکنا کی معنی: کسی چیز کو زور سے ادھر ادھر پھینک دینا

خراب ہونا کی معنی: نقصان ہونا یا چیز کا بیکار ہو جانا

کیچڑ کی معنی: گندہ مٹیالا پانی

رونا کی معنی: آنسو بہانا

سبق کی معنی: سیکھنے کی بات

(جیسا کی معنی: جیسا کرو گے، ویسا بھرو گے) (مثال کے لیے

جنگل کی معنی: درختوں سے بھرا علاقہ جہاں جانور رہتے ہیں

اچانک کی معنی: غیر متوقع طور پر

ٹر جانا کی معنی: خوف محسوس کرنا

احسان کی معنی: نیکی، بھلا کام

بدلہ کی معنی: احسان کا بدلہ چکانا

آزاد کی معنی: رہائی پانا

شکریہ کی معنی: اظہارِ تشکر

مدد کرنا کی معنی: کسی کی مدد یا حمایت کرنا

شکاری کی معنی: جانوروں کا شکار کرنے والا

جال کی معنی: جکڑنے والا جال، جیسے شکاری کا جال

گاؤں کی معنی: چھوٹا دیہی علاقہ

نہر کی معنی: پانی کی مصنوعی ندی

بہانا کی معنی: غلط دلیل دینا

لکڑی کی معنی: درخت کا سخت حصہ

پل کی معنی: ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کا راستہ جو پانی پر بنایا جائے

چوڑا کی معنی: وسیع

جانور کی معنی: حیوانات

بکری کی معنی: ایک پالتو جانور

اس پار کی معنی: دوسری طرف

لڑنا کی معنی: جھگڑنا

سویرا کی معنی: صبح کا وقت

بل کی معنی: چوہے کا گھر

سوچا کی معنی: دماغ میں بات لانا

ہاتھ ملانا کی معنی: دوستی یا سلام کا اشارہ

دوست بن جانا کی معنی: دوستی قائم کرنا

(خالہ کی معنی: ماں کی بہن (پیار کا انداز

دم نکل جانا کی معنی: بہت خوف زدہ ہو جانا

اُچھل جانا کی معنی: اچانک اوپر کو چھلانگ لگانا

چڑھ جانا کی معنی: اوپر چلے جانا

جان بچانا کی معنی: خطرے سے بچ نکلنا

گرمی کی معنی: موسم کا گرم ہونا

پیاسا کی معنی: جسے پانی کی طلب ہو

ڈھونڈنا کی معنی: تلاش کرنا

گھڑا کی معنی: پانی رکھنے کا برتن

چونچ کی معنی: پرندے کا منہ

بجھانا کی معنی: پیاس ختم کرنا

آرام کی معنی: سکون یا راحت